امن و انصاف کے ٹھیکیدار امریکہ میں

اسلام قبول کر کے کیا پایا؟ کیا کھویا؟

نومسلمہ بہنہ کی کہانی ان ہی کی زبانی

میرے والدین پروٹسٹنٹ عیسائی تھے اور ننھیال و ددھیال دونوں طرف مذہب کا بڑا چرچا تھا۔

ہائی سکول کی تعلیم ختم ہوئی تو میری شادی ہو گئی اور اسکے ساتھ ہی میں ماڈلنگ کے پیشے سے منسلک ہو گئی۔ خدا نے مجھ پر اچھی شخصیت عطا کی تھی اور میں خوب محنت کرتی تھی اس لئے میرا کاروبار خوب چمکا تو پیسے کی ریل پیل ہو گئی۔ شوفر، بہترین گاڑیاں غرض آسائش کا ہر سامان میسر تھا حالت یہ تھی کہ بعض اوقات ایک جوتا خریدنے کے لئے میں ہوائی سفر کر کے دوسرے شہر جاتی تھی۔ اس دوران میں ایک بیٹے اور بیٹے کی ماں بھی بن گئی، مگر سچی بات یہ ہے کہ ہر طرح کے آرام و راحت کے باوجود دل مطمئن نہ تھا۔ بے سکونی اور اداسی جان کا گویا مستقل آزار بن گئی تھی اور زندگی میں کوئی زبردست خلا محسوس ہوتا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے ماڈلنگ کا پیشہ ترک کر دیا اور دوبارہ مذہبی زندگی اختیار کر لی اور محنت سے تعلیمی اداروں میں مذہبی تبلیغ کی رضاکارانہ خدمات سرانجام دینے لگی۔

اس کے ساتھ ہی میں نے مزید تعلیم کے لئے یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ خیال تھا کہ اس بہانے شاید روح کو کچھ سکون ملے گا۔ اس وقت میری عمر تیس برس تھی۔

اسے میری خوش قسمتی ہی کہئے کہ مجھے ایک ایسی کلاس میں داخلہ مل گیا جس میں سیاہ فام اور ایشیائی طالب علموں کی خاصی بڑی تعداد تھی۔ بڑی پریشانی ہوئی۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ مزید گھٹن یہ دیکھ کر محسوس ہوئی کہ ان میں خاصے لوگ مسلمان تھے اور مجھے مسلمانوں سے انتہائی نفرت تھی میرے نزدیک عام یورپی سوچ کی طرح اسلام وحشت و جہالت کا مذہب تھا اور مسلمان غیر مہذب، عیاش، عورتوں پر ظلم کرنے والے اور اپنے مخالفوں کو زندہ جلا دینے والے لوگ تھے۔ امریکہ اور یورپ کے عام مصنفین اور مؤرخین یہی کچھ لکھتے آرہے ہیں۔ بہر حال شدید ذہنی کوفت کے ساتھ تعلیم شروع کی پھر اپنے آپ کو سمجھایا کہ میں ایک مشنری ہوں کیا عجب کہ خدا نے مجھے ان کافروں کی اصلاح کے لئے یہاں بھیجا ہو اس لئے مجھے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ چنانچہ میں نے صورت حال کا جائزہ لینا شروع کیا تو حیرت میں مبتلا ہو گئی کہ مسلمان طالب علموں کا رویہ دوسرے سیاہ فام طالب علموں سے مختلف تھا۔ وہ عام امریکی نوجوانوں کے برعکس لڑکیوں سے بے تکلف ہونا پسند نہ کرتے نہ آوارگی اور عیش پسندی کے رسیا تھے۔ میں تبلیغی جذبے کے تحت اس سے بات کرتی، ان کے سامنے عیسائیت کی خوبیاں بیان کرتی تو وہ بڑے وقار اور احترام سے ملتے اور بحث میں الجھنے

کے بجائے مسکرا کر خاموش ہوجاتے۔

میں نے اپنی کوششوں کو یوں بے کار جاتے دیکھا تو سوچا کہ اسلام کا مطالعہ کرنا چاہیے تاکہ اس کے نقائص اور تضادات سے آگاہ ہو کر مسلمان طالب علموں کو زچ کر سکوں، مگر دل کے گوشہ میں یہ احساس تھا کہ عیسائی پادری، مضمون نگار اور مؤرخ تو مسلمانوں کو وحشی، گنوار، جاہل اور نہ جانے کن کن برائیوں کا مرقع بتاتے ہیں لیکن امریکی معاشرت میں پلنے بڑھنے والے ان سیاہ فام مسلمان نوجوانوں میں تو اسے کوئی برائی نظر نہیں آتی بلکہ یہ باقی سب طلبہ سے مختلف و پاکیزہ رویئے کے حامل ہیں پھر کیوں نہ میں خود اسلام کا مطالعہ کروں اور حقیقت حال سے آگاہی حاصل کروں۔

چنانچہ اس مقصد کی خاطر میں نے سب سے پہلے قرآن کا انگریزی ترجمہ پڑھنا شروع کیا اور میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ یہ کتاب دل کے ساتھ ساتھ دماغ کو بھی اپیل کرتی ہے۔ عیسائیت پر غور و فکر کے دوران اور مطالعہ بائبل کے نتیجہ میں ذہن میں کتنے ہی سوال پیدا ہوتے تھے مگر کسی پادری یا دانشور کے پاس ان کا کوئی جواب نہ تھا اور یہی تشنگی روح کے لئے مستقل روگ بن گئی تھی مگر قرآن پڑھا تو ان سارے سوالوں کے ایسے جواب مل گئے جو عقل اور شعور کے عین مطابق تھے۔ مزید اطمینان کے لئے اپنے کلاس فیلو مسلمان نوجوانوں سے گفتگو کی اور تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا تو اندازہ ہوا کہ میں اب تک اندھیروں میں بھٹک رہی تھی اور اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں میرا نقطہ نظر صریحاً ناانصافی اور جہالت پر مبنی تھا۔

مزید اطمینان کی خاطر میں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی تعلیمات کا مطالعہ کیا تو یہ دیکھ کر مجھے خوشگوار حیرت ہوئی کہ امریکی مصنفین کے پروپیگنڈے کے بالکل برعکس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنی نوع انسان کے عظیم محسن اور سچے خیر خواہ ہیں خصوصاً انھوں نے عورت کو جو مقام و مرتبہ عطا فرمایا اس سے پہلے یا بعد میں کوئی مثال نظر نہیں آتی۔

ماحول کی مجبوریوں کی بات دوسری ہے ورنہ میں طبعاً شرمیلی ہوں اور خاوند کے سوا کسی مرد سے بے تکلفی پسند نہیں کرتی۔ چنانچہ جب میں نے پڑھا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی بے حد حیادار تھے اور خصوصاً عورتوں کے لئے عفت و پاکیزگی اور حیا کی تاکید کرتے رہے تو میں بہت متاثر ہوئی اور اسے عورت کی ضرورت اور نفسیات کے عین مطابق پایا۔

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کا درجہ جس قدر بلند فرمایا اس کا اندازہ اس قول سے ہوا کہ "جنت ماں کے قدموں میں ہے" اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر تو میں جھوم اٹھی کہ عورت آبگینے کی طرح ہے اور تم میں سب سے اچھا شخص وہ ہے جو اپنی بیوی اور گھر والوں سے اچھا سلوک کرتا ہے۔

قرآن اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے میں مطمئن ہو گئی اور تاریخ اسلام کے مطالعہ

اور اپنے مسلمان کلاس فیلو نوجوانوں کے کردار نے مسلمانوں کے بارے میں ساری غلط فہمیوں کو دور کر دیا اور میرے ضمیر کو میرے سارے سوالوں کے جواب مل گئے تو میں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اسکا ذکر میں نے متذکرہ طالب علموں سے کیا تو وہ ۱۲ مئی ۱۹۷۷ کو میرے پاس چار ذمہ دار مسلمانوں کو لے آئے۔ ان میں سے ایک ڈینور کی مسجد کے امام صاحب تھے چنانچہ میں نے ان سے چند سوالات کئے اور کلمہ شہادت پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئی۔

میرے قبول اسلام پر سارے خاندان پر گویا بجلی گر پڑی ہمارے میاں بیوی کے تعلقات واقعی مثالی تھے اور میرا شوہر مجھ سے ٹوٹ کر محبت کرتا تھا مگر میرے قبول اسلام کی بات سن کر اسے غیر معمولی صدمہ ہوا۔ میں اسے پہلے قائل کرنے کی کوشش کرتی رہی تھی اور اب پھر سمجھانے کی بہت سعی کی مگر اس کا غصہ کسی طرح ٹھنڈا نہ ہوا اور میرے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ عارضی طور پر دونوں بچوں کی پرورش میری ذمہ داری قرار پائی۔

میرے والد بھی مجھ سے گہری قلبی وابستگی رکھتے تھے مگر اس خبر سے وہ بھی بے حد برافروختہ ہوئے اور غصہ میں ڈبل بیرل شاٹ گن لے کر میرے گھر آگئے تاکہ مجھے قتل کر ڈالیں مگر خدا کا شکر ہے کہ میں بچ گئی اور وہ ہمیشہ کیلئے قطع تعلق کر کے چلے گئے۔

میری بڑی بہن ماہر نفسیات تھی اس نے اعلان کر دیا کہ یہ کسی دماغی عارضہ میں مبتلا ہو گئی ہے اور اس نے سنجیدگی سے مجھے نفسیاتی انسٹی ٹیوٹ میں داخل کرانے کے لئے دوڑ دھوپ شروع کر دی میری تعلیم مکمل ہو چکی تھی میں نے معاشی ضرورتوں کے پیش نظر ایک دفتر میں ملازمت حاصل کی، لیکن ایک روز میری گاڑی کو حادثہ پیش آگیا اور تھوڑی سی تاخیر ہو گئی تو مجھے ملازمت سے نکال دیا گیا۔ گھر والوں کے نزدیک میرا اصل جرم یہی تھا کہ میں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔

اس کے ساتھ ہی حالت یہ تھی کہ میرا ایک بچہ پیدائشی طور پر معذور تھا۔ وہ دماغی طور پر بھی نارمل نہ تھا اور اس کی عام صحت بھی ٹھیک نہ تھی جبکہ بچوں کی تحویل اور طلاق کے مقدمے کے باعث امریکی قانون کے رو سے فیصلہ ہونے تک میری ساری جمع پونجی منجمند کر دی گئی تھی۔ ملازمت بھی ختم ہو گئی تو میں بہت گھبرائی اور بے اختیار رب جلیل کے حضور سر بسجود ہو گئی اور گڑگڑا کر خوب دعائیں کیں، اللہ کریم نے میری دعائیں قبول فرمالیں اور دوسرے ہی روز میری ایک جاننے والی خاتون کی کوشش سے مجھے ایسٹر سیل پروگرام میں ملازمت مل گئی اور میرے معذور بچے کا علاج بھی بلا معاوضہ ہونے لگا۔ ڈاکٹروں نے دماغ کے آپریشن کا فیصلہ کیا اور اللہ کے خاص فضل سے یہ آپریشن کامیاب رہا، بچہ تندرست ہو گیا اور میری جان میں جان آئی، لیکن آہ! ابھی آزمائشوں کا سلسلہ ختم نہ ہوا تھا۔ عدالت میں بچوں کی تحویل کا مقدمہ دو سال سے چل

رہا تھا۔ آخر کار دنیا کے اس سب سے بڑے ''جمہوری'' ملک کی ''آزاد'' عدالت نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر بچوں کو اپنے پاس رکھنا چاہتی ہوں تو اسلام سے دست بردار ہونا پڑے گا کیوں کہ اس قدامت پرست مذہب کی وجہ سے بچوں کا اخلاق خراب ہوگا اور تہذیبی اعتبار سے انھیں نقصان پہنچے گا۔

عدالت کا یہ فیصلہ میرے دل و دماغ پر بجلی بن کر گرا۔ ایک مرتبہ تو میں چکرا گئی، زمین اور آسمان گھومتے ہوئے نظر آئے، مگر اللہ کا شکر ہے کہ اس کی رحمت نے مجھے تھام لیا اور میں نے دو ٹوک انداز میں عدالت سے کہہ دیا کہ میں اپنے بچوں سے جدائی گوارا کرلوں گی مگر اسلام اور ایمان کی دولت سے دست بردار نہیں ہوسکتی چنانچہ بچی اور بچہ دونوں باپ کی تحویل میں دے دیئے گئے۔

اس کے بعد ایک سال اسی طرح گذر گیا میں نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے اپنا تعلق گہرا کرلیا اور تبلیغ دین میں منہمک ہوگئی۔ نتیجہ یہ کہ ساری محرومیوں کے باوجود میں ایک خاص قسم کے سکون اور اطمینان سے سرشار رہی۔

ایک زمانہ تھا کہ میں اتوار کا دن آرام کرنے کے بجائے کسی سنڈے اسکول میں بچوں کو عیسائیت کے اسباق پڑھاتی تھی، آج اللہ کے کرم سے میں اتوار کا دن اسلامک سینٹروں میں گذارتی ہوں اور وہاں مسلمان بچوں کو دینی تعلیم دینے کے علاوہ دیگر مضامین بھی پڑھاتی ہوں۔

یہ بھی اللہ ہی کی توفیق سے ہے کہ میں نے مختلف مقامات پر مسلم ژومن اسٹڈی سرکل قائم کئے ہیں جن میں غیر مسلم خواتین بھی آتی ہیں، میں انھیں بتاتی ہوں کہ اسی امریکہ میں آج سے ڈیڑھ سو برس پہلے عورتوں کی باقاعدہ خرید وفروخت ہوتی تھی اور ایک عورت کو گھوڑے سے بھی کم قیمت پر یعنی ڈیڑھ سو روپے میں خریدا جاسکتا تھا۔ بعد کے ادوار میں بھی عورت کو باپ یا شوہر کی جائداد میں سے کوئی حصہ نہ ملتا تھا حتیٰ کہ اگر وہ شادی کے موقع پر ایک لاکھ ڈالر شوہر کے گھر میں لے کر جاتی اور چند ہی ماہ بعد اسے طلاق حاصل کرنا پڑتی تو وہ ساری رقم شوہر کی ملکیت قرار پاتی تھی۔ جب کہ اسلام آج سے چودہ صدی پہلے سے عورت کے حقوق کی آواز لگا رہا ہے اور اس اعزاز کی تو کہیں ادنیٰ سی بھی مثال نہیں ملتی کہ ماں کے قدموں کے نیچے جنت قرار دی گئی ہے اور باپ کے مقابلہ میں اسے تین گنا زیادہ واجب الاحترام قرار دیا گیا ہے۔

جب میں یہ تقابلی موازنہ کرتی ہوں تو امریکی عورتوں کے منہ حیرت سے کھلے رہ جاتے ہیں وہ تحقیق کرتی ہیں، مطالعہ کرتی ہیں اور جب انھیں یقین ہو جاتا ہے کہ میں صحیح بات کرتی ہوں کہ واقعتاً اسلام نے عورت کو غیر معمولی حقوق واحترام عطا کئے ہیں تو وہ اسلام قبول کرلیتی ہیں۔ چنانچہ اللہ کا شکر ہے کہ میری باتوں سے متاثر ہو کر اب تک تقریباً چھ سو امریکی خواتین دائرہ اسلام میں داخل ہو چکی ہیں۔(بہ شکریہ ماہنامہ ''البدر''، کاکوری، لکھنؤ جولائی ۱۹۹۹ء)